قصہ موسیٰ وخضر کا مفسرین کی آراء کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An analytical study of the story of Musa and Khidr in the light of commentators' opinions

Dr.Hafiz.M.Mudassar Shafique
Assistant Professor, Faculty of Social sciences,
Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore
Email: drmudassar@lgu.edu.pk
Samra Sarwar
Visiting Lecturer, Department of Islamic Studies
University of Agriculture Faisalabad, Faisalabad
Email: Meharsafdar.sam786@gmail.com
Saira Tariq
Visiting Lecturer, Department of Islamic Studies
University of Agriculture Faisalabad, Faisalabad
Email: Sairatariq1813@gmail.com

Abstract
The Qur'an is the last guide of Allah which was revealed to the Holy Prophet Khātām-ūl-Nbiyēn for the guidance of mankind. This book is the source of Islamic Shāriāh, the basis of Islamic teachings and the source of Dēn ē Hānīf. This book is the reason for the rise and fall of the Muslim Ummah and the standard for their welfare in the present and the hereafter. Commentaries on this Qur'an were written in different languages in different periods and when this knowledge entered the modern era, commentary took on a new skill. Every verse and surah started to be interpreted. In fact, the interpretation is being done from every dimension, direction and angle. In this article, an analytical study has been done in the light of commentators' commentary on different aspects of the story of Mūsā and Khīzr.
Keywords: Story of Mūsā, Khīdr, commentators' opinions, An analytical study

تاریخی جائزہ:

مودودی صاحب لکھتے ہیں اس مرحلے پر قصہ سنانے سے مقصود کفار اور مومنین دونوں کو ایک اہم حقیقت پر متنبہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ ظاہر بین نگاہ دنیا میں بظاہر جو کچھ ہوتے دیکھتی ہے اس سے بالکل غلط نتائج اخذ کر لیتی ہیں کیونکہ اس کے سامنے اللہ کی وہ مصلحتیں نہیں ہوتیں جنہیں ملحوظ رکھ کر وہ کام کرتا ہے۔ ظالموں کا پھیلنا پھولنا اور بے گناہوں کا تکلیفوں میں مبتلا ہونا، نافرمانوں پر انعامات کی بارش اور فرمانبرداروں پر مصائب کا ہجوم ، بدکاروں کا عیش اور نیکوکاروں کی خستہ حالی، یہ وہ مناظر ہیں جو آئے دن انسانوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ محض اس لیے کہ لوگ اس کو سند نہیں سمجھتے، ان میں سے عام طور پر ذہنوں میں الجھنیں بلکہ غلط فہمیاں تک پیدا ہو جاتی ہیں۔ کافر اور ظالم ان سے

یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ دنیا اندھیر نگری ہے۔کوئی اس کا راجہ نہیں اور ہے تو چوپٹ ہے۔یہاں جس کا جو جی چاہے کرتا رہے، کوئی پوچھنے والا نہیں۔مومن اس طرح کے واقعات کو دیکھ کر دل شکستہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات سخت آزمائشوں کے موقع پر ان کے ایمان تک متزلزل ہو جاتے ہیں۔ایسے حالات میں اللہ نے حضرت موسی کو اپنے کارخانہ مشیت کا پردہ اٹھا کر اس کی ایک جھلک دکھائی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہاں شب و روز جو کچھ ہو رہا ہے کیسے اور کن مصلحتوں سے ہو رہا ہے اور کس طرح واقعات کا ظاہر ان کے باطن کے مختلف ہوتا ہے[1]

موسیٰ کون ہے؟

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہین کہ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے اس موسی سے متعلق دریافت کیا اور انہیں بتایا کہ نوفلی بکالی کا خیال ہے کہ اس واقعہ مین جس موسی کا ذکر ہے وہ موسی بنی اسرائیل نہین بلکہ موسی بن افرائیم بن یوسف ہے۔ابن عباس نے یہ سن کر فرمایا"اللہ کے دشمن نے جھوٹ بکا ہے ہمیں ابن کعب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ ایک دن موسی بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا"میں سب سے بڑا عالم ہوں"اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ انہوں نے علم کو اپنی طرف منسوب کیوں کیا بلکہ اللہ کی ذات کی طرف تفویض کیوں نہین کیا۔چنانچہ اللہ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔موسی نے عرض کیا یا الہی:مین اس کی خدمت مین کوں کر پہنچ سکتا ہوں تو تب حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ میرے بندے کی قیام گاہ ہے[2]

حضرت موسی کا تعارف:

جہاں تک حضرت موسی کے تعارف کا تعلق ہے تو یہاں کون سے موسی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے متعلق علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ حضرت موسی کا نسب یہ ہے "موسی بن عمران بن یصیر بن قاہثبن لادیبن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیالسلام۔جب حضرت موسی پیدا ہوئے تو ان کے والد عمران کی عمر ۷۰ سال تھی اور ۱۳۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے حضرت موسی کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔فریری کا قول ہے کہ آپ کی عمر ۱۶۰ سال تھی اور آپ کا وصال میدان تیہ میں ہوا جب بنی اسرائیل میدان تیہ سے نکلے اس وقت حضرت موسی کی عمر ۸۰ سال تھی۔جب حضرت یوسف کا وصال ہوا تو ولیہ بن مصعب بن ریان بادشاہ ہوا اور اس کی حکومت کافی عرصہ رہی۔اس کے بعد موسی والے فرعون کا زمانہ آیا اور اس فرعون سے زیادہ لمبی عمر کا کوئی فرعون نہیں گزرا۔اس کی عمر چار سو سال تھی۔[3]

یوشع بن نون کا تعارف:

جہاں تک یوشع بن نون کا تعلق ہے تو ان کے متعلق قرآن کہتا ہے

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ ۔[4]

اس آیت میں لفظ فتی سے مراد یوشع بن نون ہیں وہ نوجوان تھے۔ سفر وحضر میں حضرت کلیم کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔[5] حضرت موسی کے خادم کا نام قرآن مین نہیں ہے بلکہ بعض روایات میں ذکر ہے کہ یوشع بن نون ہی تھے جو بعد میں آپ کے خلیفہ نامزد ہوئے۔[6] ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں کہ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ [7] اور فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ [8] ان دونوں آیات میں موسی نے اپنے فتی سے کہا ان دونوں آیتوں میں فتی سے مراد یوشع بن نون ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ابی بن کعب بیان کرتے ہین کہ نبی محترم نے فرمایا کہ یوشع بن نون کی نبوت پر اہل کتاب کا اتفاق ہے کیونکہ ان کی ایک جماعت جس کا نام اسیا امر ہے وہ حضرت موسی کے بعد یوشع بن نون کے سوا کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہین کرتی کیونکہ ان کی نبوت کی تورات میں تصریح ہے۔ وہ ان کے علاوہ تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے رب کی طرف سے برحق نبی ہیں سو قیامت تک ان پر مسلسل لعنت ہوتی رہے گی۔[9]

یوشع بن نون کو فتی فرمانے کی توجیہ:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی نوجوان لڑکا یا لڑکی کے ہیں غلام اور باندی کو بھی فتی کہتے ہیں[10] علماء کے اس سے متعلق ۱۳ قوال ہیں۔

۱۔ یوشع حضرت موسی کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے۔ کلام عرب مین فتی جوان آدمی کو کہتے ہیں اور چونکہ عام طور پر خدمت جوان آدمی کرتے ہیں اس لیے بطور ادب خادم کو فتی کہتے ہیں شریعت میں بھی خادم پر فتی کا اطلاق مستحب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے

عن ابي هريرة ، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " لا يقولن احدكم: عبدي، وامتي، كلكم عبيد الله، وكل نسائكم إماء الله، ولكن ليقل غلامي، وجاريتي، وفتاي، وفتاتي

کہ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی میرا بندہ یا میری بندی نہ کہے، تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں لیکن تمہیں یہ کہنا چاہیے کہ میرا غلام یا میری کنیز یا میرا فتی یا میری فتاۃ: میرا خادم یا میری خادمہ۔[11]

۲ یوشع کو حضرت موسی کا فتی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت موسی سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں لازماً حاضت رہتے تھے ہر چند کہ وہ آزاد تھے۔

۳۔ان کو فتی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ فتی کے قائم مقام تھے جیسا کہ ارشاد ہے

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ ٱجْعَلُواْ بِضَاعَتَهُمْ فِى رِحَالِهِمْ ۔[12]

اور یوسف نے اپنے نوکروں سے فرمایاان کی پونجی ان کی بوریوں میں رکھ دو

حدیث میں بھی ہے کہ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ انبیاء مین سے ایک جہاد کو جانے لگے تو انہوں نے کہامیری قوم میں سے وہ شخص نہ جائے جس کی ابھی شادی ہوئی ہو اور شب زفاف گزارنا چاہتا ہو۔نہ وہ شخص جائے جو مکان بنارہاہو اور مکان کی چھت بند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس کی بکریاں ہوں یاحاملہ اونٹنیاں ہوں اور وہ ان کے بچے پیدا ہونے کا منتظر ہو۔پھر وہ جہاد کے لیے گئے اور عصر کے وقت وہ ایک بستی کے پاس پہنچ گئے۔انہوں نے سورج سے کہا کہ تم بھی حکم کے پابند ہو اور مین بھی حکم کا پابند ہوں۔اے اللہ:تو سورج کو تھوڑی دیر کے لیے روک لے،سورج کو روک لیا گیا حتی کہ اللہ نے ان کو فتح عطا کی[13] اس حدیث میں جو نبی جہاد کے لیے گئے وہ یوشع بن نون تھے[14]

حضرت خضر کا تعارف:

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ بندہ خضر ہے ان کا نام بلیابن مکان ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرماہوتے وہ جگی سر سبز ہو جاتی تھی اس لیے خضر آپ کا لقب ہو گیااور اسی لقب سے مشہور ہوئے[15] جیسا کہ حدیث مین ہے کہ ابو ہریرہ نے روایت کیا کہ نبی محترم نے فرمایا،خضر اس لیے کہتے ہین جب وہ سفید پوستین "جانور کی کھال کی قمیض"پر نماز پڑھتے تو نیچے سے سبزہ اگتا۔[16] مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس بندے کا نام خضر بتایا گیا ہے اس لیے ان لوگوں کے اقوال کسی التفات کے مستحق نہیں ہیں جو اسرائلی روایات سے متاثر ہو کر حضرت الیاس کی طرف اس قصے کو منسوب کرتے ہیں ۔ان کا یہ قول نہ صرف اس بناء پر غلط ہے کہ نبی کریم کے ارشادات سے متصادم ہے بلکہ اس بناء پر بھی سراسر لغو ہے کہ حضرت الیاس،حضرت موسی کے کئی سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔[17]

یہ واقعہ کب پیش آیا؟

اس بات کی کوئی تصریح قران نے نہیں کی لیکن حدیث ملتی ہے جس میں ابن عباس کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تھاتب فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسی نے مصر مین اپنی قوم کو آباد کر لیا تھالیکن ابن عباس سے قوی تر روایات بخاری اور دوسری کتب حدیث میں ہیں وہ اس کی تائید نہیں کرتیں اور نہ ہی کسی دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسی مصر میں کبھی رہے ہوں۔بلکہ قرآن اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ مصر سے خروج کے بعد ان کا سارازمانہ سینااور تیہ میں گزرا۔اس لیے یہ روایات تو قابل قبول نہیں۔ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں کہ البتہ جب اس واقعہ پر غور کیا جاتا ہے تو کچھ تفصیلات سامنے آتی ہیں۔

ا۔ یہ مشاہدات حضرت موسی کو ان کی نبوت کے ابتدائی دور مین کرائے گئے ہوں گے کیونکہ آغاز نبوت میں ہی انبیاء کو اس طرح کی تربیت درکار ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت موسی کو ان مشاہدات کی ضرورت اس زمانے مین پیش آئی ہو گی جب بنی اسرائیل کو اس طرح کے حالات کا سامنا ہو رہا تھا جن سے مکہ معظمہ میں مسلمان دوچار تھے۔

ان دو وجوہ سے ہمارا قیاس یہ ہے کہ اس واقعہ کا تعلق اس دور سے ہے جب مصر میں بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کا سلسلہ جاری تھا اور سرداران قریش کی طرح فرعون اور اس کے درباری بھی عذاب میں تاخیر دیکھ کر یہ سمجھ رہے تھے کہ اوپر کوئی نہیں ہے جو اس سے باز پرس کرنے والا ہو اور مکے کے مسلمانوں کی طرح مصر کے مسلمان بھی بے چین ہو کر پوچھ رہے تھے کہ خدایا ان ظالموں پر انعامات کی اور ہم پر مصائب کی بارش کب تک رہے گی؟ حتی کہ خود حضرت موسی پکار اٹھے۔[18]

رَبَّنَآ إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالاً فِي ٱلْحَيَاةِ ٱلدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّواْ عَن سَبِيلِكَ ۔[19]

اے ہمارے پروردگار، تونے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں بڑی شان و شوکت اور مال و دولت دے رکھی ہے اے رب: کیا یہ اس لیے کہ وہ دنیا کو تیسرے راستے سے بھٹکا دیں۔

مجمع البحرین کا مصداق:

مودودی صاحب کے مطابق اگر ان کا یہ قیاس درست ہو تو پھر یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ غالباً حضرت موسی کا یہ سفر سوڈان کی جانب تھا اور مجمع البحرین سے مراد وہ مقام ہے جہاں موجود شہر خرطوم کے قریب دریائے نیل کی دو بڑی شاخیں البحر الابیض اور البحر الازرق آکر ملتی ہیں[20] وہ مقام جہاں ان دو بزرگوں کی ملاقات ہوئی، قرآن نے اس کو مجمع البحرین سے تعبیر کیا ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے چند اقوال کشاف سے منقول ہیں۔ مجمع البحرین سے مراد

ا۔ فارس اور روم کے دریاّن کا سنگم

۲۔ طنجہ

۳۔ افریقہ اور اندلسی مفسرین نے تو اندلسی دریا مراد لیے ہیں

۴۔ بعض کے نزدیک دیائے نیک کی دو شاخیں، بحر ابیض اور بحر ازرق یہاں آکر ملتی ہیں۔

لیکن یہ قول اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب اس واقع کا وقوع مصر سے ہجرت سے پہلے کا ہو لیکن دیگر روایات اس کی تائید نہیں کرتیں۔ اس امر کا بھی ثبوت نہین ملتا کہ سینا اور تیہ مین اقامت فرمانے کے بعد حضرت موسی پھر مصر تشریف لے گئے ہوں۔ بہر حال مجمع البحرین کوئی سے دو دریاوں کے سنگم کا نام ہو، قرآن نے جس مقصد کے لیے

اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں۔[21] امام رازی نے لکھا ہے کہ مجمع البحرین، بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت موسی اور خضر کے ملنے کی جگہ ہے کیونکہ حضرت موسی بحر شریعت تھے اور خضر بحر طریقت تھے اور مجمع البحرین ان کے ملنے کی جگہ تھی۔[22] ابن کثیر کے مطابق یہ دو سمندر ہیں ایک بحیرہ فارس اور دوسرا بحرہ روم ہے[23]

سفر میں زادراہ لینا توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے:

حضرت موسی نے دوران سفر ناشتہ طلب کیا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ جب سفر مین جائے تو کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جائے۔ اس مین ان جاہل صوفیوں کا رد ہے جو سفر میں کھانے پینے کی چیزوں کو ساتھ لے جانا توکل کے خلاف سمجھتے ہیں ان کا زعم یہ ہے کہ کسی چیز کو ساتھ نہ لے جانا یہی اللہ پر توکل ہے لیکن اس واقعے میں حضرت موسی اللہ کے کلیم اور اولو الرزم نبی ہونے کے باوجود سفر میں اپنے ساتھ زاد راہ لیے ہوئے ہیں حالانکہ ان کو سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ کی معرفت تھی۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں یوں جب وہ مکہ آتے تو لوگوں سے سوال کرنے لگے تو اللہ نے آیت نازل کی۔[24]

وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ۔[25]

اور سفر خرچ ساتھ لو، بہترین سفر خرچ سوال سے بچنا ہے

اسی طرح رسول اللہ جب کئی راتوں کے لیے غار حرا میں جاتے تو اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزین لے جاتے اور پھر حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ آتے اور جب دوبارہ جاتے تو پھر کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے۔[26]

مجمع البحرین کا سفر اور موسی وخضر کی ملاقات:

حضرت ابی بن کعب کی روایت جس میں ذکر کیا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ وہ بڑا عالم مجمع البحرین پر ملے گا۔ مجمع ا؛لبحرین سے مراد دراصل حضرت موسی اور یوشع بن نون جب دریاون کے سنگم پر پہنچے تو سفر کی تھکان دور کرنے کے لیے ایک چٹان کے سایہ میں استراحت فرما ہوئے۔ ان کے ساتھ توشہ دان میں بھنی ہوئی مچھلی بھی تھی۔ اسے جب اس خطہ کی ہوا لگی جس میں اس مرد خدا کے سانس کہ مہک بسی ہوئی تھی تو وہ زندہ ہو گئی اور اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔[27] سرب کا معنی سرنگ کے ہیں اس کی جمع اسراب ہے علامہ راغب نے حدود مین جانے کو سرب کہا ہے، سرب اس جگہ کو کہا ہے جو ڈھلوان مقام میں ہو، سرب کا معنی گزرنا اور بہنا بھی ہے[28] قرآن میں ہے

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ۔[29]

جو رات کو چھپا ہوا ہو اور دن میں چل رہا ہو

آرام کرنے کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا۔ کچھ دور چلے تو تھکاوٹ اور بھوک نے پاوں پکڑ لیے تو خادم کو حکم دیا کھانا لائے۔ اب یوشع کو یاد آیا کہ جب اس چٹان کے نیچے ستانے کے لیے آئے تھے تو مچھلی توشہ دان سے نکل کر دریا میں کود گئی تھی لیکن اس وقت عوض کرنا بھول گئے۔ اب جب حضرت موسی نے کھانا طلب کیا تو عرض کیا اور بھولنے پر معافی مانگی۔ آپ نے یہ سن کر کہا کہ وہی تو ہماری منزل و مراد تھی۔ ہم تو منزل سے آگے نکل آئے جب واپس پہنچے تو جس مرد خدا کی تلاش میں نکلے تھے ان سے وہاں ملاقات ہو گئی حضرت خضر وہاں سفید چادر میں لپٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت موسی نے سلام دیا، انہون نے جواب دیا اور کہا کہ آپ موسی بنی اسرائیل ہیں۔ آپ نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟؟؟ تو حضرت خضر نے کہا جس نے آپ کو میری طرف بھیجا ہے اسی نے مجھے بتایا ہے۔ قرآن نے حضرت خضر کے بارے میں کہا کہ وہ ان بندوں میں سے تھے جن کو ہمارے حضور قرب کا مقام حاصل تھا نیز اس رحمت خصوصی کے علاوہ ایسا علم بھی عطا کیا گیا جو عام انسانی ادراک سے بالکل جدا تھا

فَوَجَدَا عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَآ آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْماً[30]

نہ وہاں مقدمات کو مرتب کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان میں غور وفکر کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے خود بخود عقدے کھلے جاتے ہیں، پردے اٹھتے جاتے ہیں، حقائق و مطالب کا انکشاف ہوتا ہے اور ذات باری اور صفات باری کی حقیقت پر آگاہی ہوتی جاتی ہے۔ حضرت موسی اپنی جلالت شان کے باوجود کتنے ادب و احترام سے اپنی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ہر طالب کو حضرت موسی کے اس اسوہ حسنہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے جب تک دل مین ادب واحترام کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، افادہ اور استفادہ بند رہتا ہے۔ مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے سے کم درجہ والے میں کوئی کمال ہو تو اس کے حصول سے باز نہیں رہنا چاہیے۔[31]

علم لدنی کی تعریف:

جہان تک علم لدنی کا تعلق ہے تو اللہ نے فرمایا

وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْماً۔[32]

ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم لدنی عطا فرمایا

علم لدنی سے متعلق ملا علی قاری بیان کرتے ہیں، علم ایک نور ہے جو اللہ مومن کے دل مین ڈال دیتا ہے یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کے احوال سے مستقاد ہوتا ہے اس سے اللہ کی ذات وصفات اور اس کے

افعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی واسطے سے حاصل ہو تو علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو یہ علم لدنی کہلاتا ہے وحی، الہام اور فراست علم لدنی کی ہی اقسام ہیں۔[33] علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ آیت علم لدنی کے اثبات میں اصل ہے علم لدنی کو علم الحقیقۃ اور علم باطن بھی کہا جاتا ہے[34] امام غزالی لکھتے ہیں کہ ہم علم المکاشفہ سے مراد یہ لیتے ہیں کہ حق اس طرح جلی اور واضح ہو جائے گویا ہم اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر میل کچیل کا زنگ نہ ہو اور اللہ کی صفات اور اس کے احکام کی معرفت پر دل کے آئینے میں خبیث چیزوں کے جو حجابات ہیں وہ زائل ہو جائیں۔ یہ اس وقت ہو گا جب انسان اپنے آپ کو شہوت کی اتباع سے روک لے اور اپنے تمام احوال میں انبیاء کی اقتداء کرے یوں اس کے دل میں حق روشن ہو جائے گا اور حقائق منکشف ہو جائیں گے[35] امام فخر الدین رازی اس آیت سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علوم ان کو اللہ سے بغیر واسطے کے حاصل ہوئے۔ یہ علوم جو بغیر مکاشفہ حاصل ہوتے ہیں صوفیاء ان کو علوم لدنیہ کہتے ہیں ان کی تحقیق یہ ہے کہ بعض علوم ہم کو کسب سے حاصل ہوتے ہین اور بعض گیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہیں جیسے ہم درد اور لذت کا علم حاصل ہوتا ہے۔[36] حضرت خضر کو معلوم تھا کہ علوم لدنیہ کے راز مجھ پر منکشف کیے گئے ہیں ایک صاحب شریعت رسول ان پر سکوت اختیار نہیں کر سکتا اس لیے پہلے ہی اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایسے امور واقع ہوں گے تو آپ ضرور اعتراض کرین گے اور جہاں اعتراض کی نوبت آجائے وہاں افادہ واستفادہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اسی لیے صوفیاء کہتے ہیں "مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ پر اعتراض نہ کرے"[37]

جب موسی نے یقین دلایا کہ وہ کسی طرح ان کی نافرمانی نہیں کریں گے تو حضرت خضر نے فرمایا جو واقعات رو پذیر ہوں انہیں خاموشی سے دیکھتے چلے جانا لیکن ان کے متعلق استفسار نہ کیجیے گا، یہاں تک کہ ان سے میں خود ہی پردہ نہ اٹھا دون اور حقیقت حال سے آپ کو آگاہ فرماون۔ باہمی طور پر طے کرنے کے بعد اب سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ اب ان تین خصوصی واقعات کا ذکر اور پوشیدہ پہلوون کو بیان کیا جاتا ہے جو ان دو ہستیوں کے درمیان وقوع پذیر ہوئے۔

کشتی والا واقعہ اور اس کے باطنی مظاہر:

سب سے پہلے کشتی والا واقعہ پیش آیا جس کا ایک تختہ خضر علیہ السلام نے توڑ دیا تو اس پر حضرت موسی کو یارائے سکوت نہ رہا اور فوراً اعتراض جڑ دیا کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کر کے بڑی نازیبا حرکت کی ہے[38] کشتی والے نے حضرت خضر کو پہچان کر بغیر کرایہ لیے سوار کر لیا تھا تو اس بات پر حضرت موسی کو اعتراض ہوا کہ ان لوگوں نے ہم پر اعتراض کیا بغیر کرایہ کے کشتی مین سوار کیا اور آپ نے تختے توڑنے شروع کر دیے جس کی بدولت تمام کشتی والے ڈوب جائیں، یہ تو بڑا ہی ناخوشگوار کام کرنے لگے ہو۔ وہی بات حضرت خضر نے کی کہ آپ برداشت نہ کر پائیں گے حضرت موسی

معذرت کرنے لگے کہ خطا ہو گئی بھولے سے پوچھ بیٹھا، معاف فرما دین، سختی نہ کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واقعی پہلی غلطی بھول ہی سے تھی فرماتے ہیں کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آبیٹھی اور سمندر میں چونچ ڈال کر پانی لے کر اڑ گئی۔ اس وقت حضرت خضر نے حضرت موسی سے فرمایا، میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا پانی اس سمندر میں سے اس چڑیا کی چونچ نے کم کیا ہے۔

سمند میں کام کرنے والے مسکینوں کے بیان:

أَمَّا ٱلسَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي ٱلْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً[39]

امام ابن جوزی ان کشتی والے مسکینوں کے متعلق دو اقوال لکھتے ہیں

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ کام نہیں کر سکتے تھے

۲۔ دوسرا قول یہ تھا کہ ان کے بدنوں میں ضعف تھا۔ کعب نے کہا وہ دس بھائی تھے پانچ اپاہج تھے اور پانچ سمندر مین کام کرتے تھے۔[40] امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ کشتی چند محتاج لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے اللہ نے ان کو مسکین فرمایا ہے اور امام شافعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فقیر مین مسکین کی نسبت زیادہ ضرر اور احتیاج ہوتی ہے کیونکہ مسکینوں سے متعلق فرمایا ان کی کشتی تھیاور وہ سمندر مین کام کرتے تھے اور کشتی کے مالک تھے جبکہ فقیر مالک نہیں ہوتا۔[41]

زیادہ نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو برداشت کرنا:

حضرت خضر کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ اس کشتی کا تختہ اکھاڑنے سے میری غرض یہ نہیں تھی کہ اس میں بیٹھنے والے سواروں کو غرق کر دوں بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ جس راستہ پر جا رہے ہیں اس مین آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ آتا ہے جو ہر اس کشتی کو چھین لیتا ہے جو بے عیب ہو۔ اس لیے میں نے اس کشتی کو عیب دار بنا دیا ہے تا کہ یہ کشتی اس ظالم بادشاہ سے چھننے سے محفوظ رہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا کسی اجنبی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی اجنبی شخص کا مال بچانے کے لیے اس میں کسی قسم کا تصرف کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر نے یہ کام اللہ کے حکم سے کیا تھا اور ہماری شریعت مین بھی یہ جائز ہے۔ مثلاً ہمارے پاس کسی شخص کا مال یا زیور رکھا ہو اور ڈاکا پڑ جائے تو ہم اس شخص کے مال کو ڈاکے سے بچانے کے لیے اس میں کوئی عیب ڈال دین تا کہ وہ مال ڈاکے سے بچ جائے۔ جیسے انسان کسی بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے کسی چھوٹی مصیبت کو قبول کر لیتا ہے[42]

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب بھی رسول اللہ کو دو چیزوں کے درمیاں اختیار دیا گیا تو آپ نے اسی پر عمل کیا جو زیادہ آسان تھی بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اگر وہ گناہ ہو تو رسول اللہ لوگوں کی نسبت اس سے بہت

زیادہ دور ہونے والے تھے اور آپ نے کبھی اپنی زات کے لیے انتقام نہیں لیا سوائے اس کے اللہ کی مدحت کو پامال کیا جائے اس صورت میں آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے[43] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی معاملہ میں دو امر جائز ہوں مشکل اور آسان، تو مشکل کو ترک کر کے آسان کو اختیار کرنا چاہیے۔ جیسے قسم کے کفارے میں اختیار ہے ، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا، تو کھانا کھلانا، کپڑے پہنانے سے آسان ہے۔ اسی طرح کفارہ ظہار میں اور روزے کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھنا، تو ساٹھ دن کے مسلسل روزوں کی نسبت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا آسان ہے جیسا کہ حدیث میں ہے

عن انس، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال:" يسروا ولا تعسروا، وبشروا ولا تنفروا"[44]

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا، آسانی کرو اور مشکل میں مت ڈالو، بشارت دو اور متنفر نہ کرو

خلاصہ یہ کہ زیادہ نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لینا بہتر ہے۔[45] جس بادشاہ کا ڈر تھا کہ وہ کشتی قابض کرلے گا اس کا نام جدو بن بدد تھا۔[46]

قتل غلام کا واقعہ:

جب کشتی کنارے لگی اور دونوں حضرات ساحل پر چلنے لگے تو حضرت خضر کی نگاہ چند کھیلتے ہوئے بچوں پر پڑی۔ ان مین سے ایک بچے کا سر پکڑ کر حضرت خضر نے اس کی گردن اس طرح مروڑ دی کہ اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔[47] ایک نابالغ بے گناہ بچے کو یوں قتل ہوتے دیکھ کر حضرت کلیم کو پارائے ضبط نہ رہا اور لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئاً نُّكْراً ۔[48] کے زرو دار الفاظ سے احتجاج کیا۔ حضرت خضر نے کہا کہ میں نے پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر سے وقت بسر نہیں کر سکتے اس لیے آپ کا میرے ساتھ جانا بے سود ہو گا۔[49]

قتل ہونے والا بچہ بالغ تھا یا نابالغ:

سعید نے کہا کہ وہ لڑکا جو دوسروں کے ساتھ کھیل رہا تھا، وہ کافر تھا حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا پھر اس کو چھری کے ساتھ ذبح کر دیا وہ لڑکا ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔[50] جیسا کہ حدیث میں ہے کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دنوں کشتی سے اترے جس وقت دونوں سمندر کے کنارے جا رہے تھے تو حضرت خضر نے دیکھا کہ ایک لڑکا ، لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو حضرت نے اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور اس کی گردن اکھاڑ کر اس کو قتل کر ڈالے۔[51] بعض علماء نے کہا وہ لڑکا بالغ تھا اور دو بستیوں کے درمیاں ڈاکہ ڈالتا تھا اور اس کا باپ ان میں سے ایک بستی کا رئیس تھا اور ماں رئیسہ تھی۔ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور سر دھڑ سے الگ کر دیا۔ کلبی نے کہا اس کا نام شمعون تھا، ضحاک نے کہا اس کا نام حسیون تھا۔ سہیلی نے اس کے باپ کا نام آزیر بتایا ہے اور ماں کا نام سھوی

تھا۔ وھب نے اس کے باپ کا نام سلاس بتایا اور ماں کا نام رحمی۔ جمہور نے کہا کہ وہ نابالغ تھا اسی وجہ سے حضرت موسی نے فرمایا وہ بے قصور تھا۔ قرآن میں اس کے لیے غلام کا لفظ آیا ہے اور غلام کا معنی لڑکا ہے کیونکہ عرب مردوں میں غلام اسی کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو اور حضرت خضر کو کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ہے۔ اس لیے حدیث صحیح میں ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو کفر میں مبتلا کر دیتا اور اللہ کے اذن اور اس کے حکم کے بغیر نابالغ کو قتل کرنا جائز نہی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ابن جبیر نے کہا کہ وہ لڑکا بلوغت کو پہنچ چکا تھا کیونکہ ابی بن کعب اور ابن عباس کی قرات میں ہے وہ لڑکا تو کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے۔ کفر اور مومنین مکلفین بالغین کی صفات میں سے ہے اور غیر مکلف پر کافر یا مومن کا طلاق اس کے ماں باپ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے[52]

لڑکے کو قتل کرنے کی توجیہ:

ایک قول یہ تھا کہ وہ لڑکا بالغ تھا، ڈاکے ڈالتا تھا اور برے کام کرتا تھا اور اس کے ماں باپ لوگوں سے اس کے شر کو دور کرتے رہتے تھے اور جو شخص اس لڑکے کی طرف برے کاموں کو منسوب کرتا تھا، اس کی تکذیب کرتے رہتے تھے اور یہ ان کے فسق کا سبب تھا اور خطرہ تھا کہ یہ فسق والدین کو کفر تک نہ پہنچا دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نابالغ تھا مگر اللہ کے علم میں تھا کہ جب یہ بالغ ہو جائے گا تو اس میں یہ برائیاں پائی جائیں گی تو اللہ نے خضر کو یہ حکم دیا کہ جس کے متعلق ایسا غلبہ ظن ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ قتادہ فرماتے ہیں اس کی پیدائش سے اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے تھے اور اس کی ہلاکت سے بہت غمگین ہوئے، حالانکہ اس کی زندگی ان کے لیے ہلاکت تھی۔ پس انسان کو چاہیے کہ خدا کی رضا پر راضی رہے، رب انجام کو جانتا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں مومن جو کام اپنے لیے پسند کرتا ہے اس کی اپنی پسند ہے وہ اچھا ہے جو خدا اس کے لیے پسند کرتا ہے صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کے جو فیصلے اللہ کے لیے ہوتے ہیں وہ سراسر بہتری اور عمدگی ہی والے ہوتے ہیں

جیسا کہ قرآن میں بھی ذکر ہے

وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ-وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْؕ-[53]

ہو سکتا ہے جو چیز تمہیں ناگوار گزرے وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے جو تمہیں پسند ہو وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہو

یعنی بہت ممکن ہے ایک کام تم اپنے لیے برا اور ضرر والا سمجھتے ہو اور وہی تمہارے لیے بھلا ہو۔ اللہ نے اس لڑکے کے بدلے ان کے ہاں ایک لڑکی دی[54] اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ وہ لڑکا کافروں اور بدمعاشوں کے ساتھ وقت

گزار تا تھا اور اس کے متعلق یہ غلبہ ظن تھا کہ وہ بھی ان کی طرح ہو جائے گا اور اللہ نے یہ حکم دیا کہ ایسے لڑکے کو قتل کر دیا جائے حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا اس پر کفر کی مہر لگادی گئی تھی[55] حضرت خضر نے کہا کہ ہم نے یہ اراداہ کیا کہ اللہ اس لڑکے کے ماں باپ کو اس سے بہتر لڑکا عطا فرما دے گا جو پاکیزہ سیرت کا حامل ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو گا عطاء نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ پھر ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہوئے۔[56]

جھکی ہوئی دیوار کو درست کرنا:

دوسری دفعہ بھی صبر نہ کرنے کے بعد حضرت موسی نے فرمایا، اب ایک بار پھر جانے دو، اگر پھر بھی مجھسے ایسی بے صبری صادر ہوئی تو آپ مجھے اپنی رفاقت سے محروم کر دیں۔ میں پھر اس جدائی پر آپ کو مُز ور پآن گا، کچھ عرصہ ہوں اکٹھے چلتے رہے یہاں تک کہ ایک گاوں میں آئے، جہاں کے باشندوں نے ان کی طلب کے باوجود ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار جھکی ہوئی تھییوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گری کے گری۔ حضرت خضر نے دیکھا تو اس کی مرمت کر کے درست کر دیا اور کسی مزدوری کا مطالبہ بھی نہ کیا۔ حضرت موسی نے فرمایا، آپ بھی عجیب ہیں گاون والوں نے اس قدر بے مروتی کا ثبوت دیا ہے کہ ہمیں سوکھی روٹی تک نہیں دیا اور ایک آپ ہیں کہ ان کی گرتی ہوئی دیوار کو بلا معاوضہ درست کرتے جارہے ہیں۔ جب تیسری دفعہ حضرت موسی نے اعتراض کیا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اب میں اور آپ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ رخصت کرنے سے پہلے آپ کو ان اسرار تکوینہ پر آگاہ کر دوں جن پر آپ سکوت اختیار نہ کر سکے۔ پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام واقعات کی حقیقت آپ کے سامنے پیش کر دی۔[57] اس دیوار کو درست کر دینے میں مصلحت خداوندی یہ تھی کہ یہ دیوار اس شہر کے دو یتیموں کی تھی اس کے نیچے ان کا مال دفن تھا۔ ٹھیک تفسیر تو یہی ہے

خزانہ کے مصداق میں اقوال:

گو یہ مروی بھی ہے کہ وہ علمی خزانہ تھا بلکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس خزانے کا ذکر کتاب اللہ میں ہے یہ خالص سونے کی تختیاں تھیں جن پر لکھا ہوا تھا" کہ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر کا قائل ہوتے ہوئے اپنی جان کو محنت و مشقت میں ڈال رہا ہے اور رنج و غم برداشت کر رہا ہے، تعجب ہے کہ جہنم کے عذاب کو ماننے والا ہے اور پھر بھی ہنسی کھیل میں مشغول ہے، تعجب ہے کہ موت کو یقین رکھتے ہوئے غفلت میں پڑا ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "یہ عبارت بھی ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی لیکن ان میں ایک راوی بشیر بن منذر ہیں کہا گیا ہے کہ یہ مصلیصہ کے قاضی تھے ان کی حدیث میں وہم ہے۔ سلف سے بھی اس بارے میں آثار مروی ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ

سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد قریب قریب مندرجہ بالا نصیحتیں اور آخر میں کلمہ طیبہ تھا۔ عمر موسی غفرہ سے بھی تقریبا یہ مروی ہے۔ امام جعفر بن محمد فرماتے ہیں اس میں ڈھائی سطریں تھیں پوری تین نہ تھیں۔ مذکور ہے کہ یہ دونوں یتیم بوجہ اپنے ساتویں دادا کی نیکیوں کے محفوظ رکھے ہوئے تھے جن بزرگوں نے یہ تفسیر کی ہے وہ بھی پہلی تفسیر کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی ہے کہ یہ علمی باتیں سونے کی تختی پر لکھی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے کہ سونے کی تختی خود مال ہے اور بہت بڑی رقم کی چیز ہے۔[58]

مرنے کے بعد بھی مرد صالح کا فیضان:

اس آیت میں وَأَمَّا ٱلْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي ٱلْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُۥ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً۔۔[59] سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے بال بچے دنیا اور آخرت میں خدائی مہربانی حاصل کر لیتے ہیں جیسے قرآن و حدیث میں صراحتاً مذکور ہے آیت میں ان کی صلاحیت کا کوئی بیان نہیں۔ ہاں ان کے والد کی نیک بختی اور نیک عملی بیان ہوئی ہے یہ بات کہ جس کی نیکی کی وجہ سے حفاظت ہوئی یہ ان بچوں کا ساتواں دادا تھا[60] محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ اللہ نے ایک بندے کی اصلاح و تقوی کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندانوں کی نگہبانی فرماتا ہے جب تک وہ نیک بندہ کسی مقام پر سکونت پذیر رہتا ہے تو اللہ اس کے پڑوسیوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے[61] ایک روایت میں ہے کہ اللہ نیک بندے کی سات پشتوں کی حفاظت کرتا ہے۔[62]

محمد بن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ ان یتیموں کا باپ لوگوں کی امانت کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا ابن عباس نے فرمایا کہ ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی نیز فرمایا اللہ باپ کی نیکی کی وجہ سے ان کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے[63] احمد واحدی لکھتے ہیں کہ جرفر بن محمد نے کہا کہ ان لرکوں کے درمیاں اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے اور محمد بن منکدر نے کہا کہ اللہ کسی ایک بندے کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد، اولاد کی اولاد اور اس کے محلہ والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔[64] امام قرطبی لکھتے ہیں کہ وہ ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے، ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے ان کے والد کا نام کاشح تھا اور والدہ کا نام دنیا تھا۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نیک شخص کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہوں اور اللہ نیک آدمی کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے[65] قرآن کی دلیل یہ ہے۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ ۖ وَ ھُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ[66]

آپ فرمادیں "بے شک میرا پروردگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے

اس بحث کو مکمل کرنے سے پہلے ایک اہم پہلو کی طرف توجہ ضروری ہے کہ تین واقعات کے متعلق حضرت خضر نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان میں پہلی توجیہہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا [67] میں نے یہ ارادہ کیا کہ کشتی کو عیب دار بنادوں" دوسری توجیہہ میں فرمایا فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا [68] ہم نے ارادہ کیا اور تیسری میں فرمایا فَأَ رَادَ رَبُّكَ [69] آپ کے رب نے ارادہ فرمایا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلوب بیان کے اس تفاوت بیان کی وجہ کیا ہے؟ پیر کرم شاہ الازہری اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگرچہ خیر وشر، نفع وضرر ہر چیز کا خالق اللہ ہے لیکن ادب وعرفان کا طریقہ یہ ہے کہ خیر و نفع کا ذکر کرتے ہین تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں اور جب شر اور ضرر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہین حضرت ابراہیم کا قول قرآن نے ذکر کیا ہے

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ [70]

جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ مجھے شفاء دیتا ہے

یہاں بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اللہ کی طرف کی حالانکہ بیمار بھی وہی کرنے والا ہے۔ اسی طرح ان واقعات میں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا کہہ کر اس کی نسبت صرف اپنی طرف کی کیونکہ کشتی توڑنا مذموم ہے اور جب دیور درست کرنے کی وجہ بتائی تو تو اس کی نسبت صرف اللہ کی جانب کی فَأَ رَادَ رَبُّكَ کیونکہ وہ محض خیر ہے اور قتل غلام کے دو پہلو تھے۔ خیر اس لیے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جارہی ہے اور شر اس لیے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جارہا ہے اس لیے فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا جمع کا صیغہ استعمال کیا تاکہ خیر کے پہلو کی نسبت خداوند کی طرف ہو جائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کر دیا۔[71]

نتائج بحث:

ا۔ اس واقعے میں جس موسیکا ذکر ہوا ہے وہ نبی اسرائیل والے موسی ہی ہیض جو ایک جلیل القدر نبی کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ جو شاگرد ہے ان کا نام یوشع بن نون ہے

۲۔ کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو حضرت یونس کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ حضرت موسی سے کافی عرصہ بعد آئے تھے تو یہاں حضرت خضر ہی ہیں جن سے راہنمائی مقصود ہے

۳۔ یہ واقعات حضرت موسی کی ابتدائی دور کے ہیں جب نبی کی تربیت کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی حالات مکی زندگی میں درپیش تھے۔

۴۔ سفر میں زادہ راہ کا لینا سنت انبیاء میں شامل ہے بلکہ ان لوگوں کا بھی رد ہے جو ان پہلوون کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔

۵۔ علم لدنی، علم ایک نور ہے جو اللہ مومن کے دل مین ڈال دیتا ہے یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کے احوال سے مستفاد ہوتا ہے اس سے اللہ کی ذات وصفات اور اس کے افعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی واسطے سے حاصل ہو تو علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو یہ علم لدنی کہلاتا ہے وحی، الہام اور فراست علم لدنی کی ہی اقسام ہیں

۶۔ بعض اوقات بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصانات کو قبول کرنا بہتر ہے جیسا کہ حضرت خضر کا کشتی میں سوراخ کرکے اس کو بادشاہ کے لٹنے سے محفوظ کرنا تھا۔

۷۔ زندگی میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے کوئی بہتر چیز لے لی جاتی ہے اور انسان پریشان ہوتا ہے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ اس کے بدلے کچھ بہتر عطا فرماتا ہے کیونکہ انسان کو اچھائی اور برائی کے حصول کا اندازہ نہیں ہے اللہ ان معاملات کو بہتر جانتا ہے۔

۸۔ انسان کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے بال بچے دنیا اور آخرت میں خدائی مہربانی حاصل کر لیتے ہیں جیسے قرآن و حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔ جیسا کہ ان بچوں کے والد کی نیک بختی اور نیک عملی بیان ہوئی ہے یہ بات کہ جس کی نیکی کی وجہ سے حفاظت ہوئی۔

حوالہ جات

[1] ابو الاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن:۳/۳۴

[2] محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح البخاری، ریاض: دارالسلام، رقم الحدیث:۱۲۲

[3] عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، مصر: ادارہ الطباعہ المنیرہ، ۱۳۴۸ھ، ۲/۶۰

[4] القرآن:۱۸:۶۰

[5] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، لاہور: ضیاء القرآن پبلیشرز، ۳/۳۸

[6] ابو الاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن:۳/۳۸

[7] القرآن:۱۸:۶۰

8 القرآن:۱۸:۶۲

9 ابن کثیر عمادالدین، امام، تفسیر ابن کثیر، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۳/۴۲۱

10 راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات القرآن، مکہ مکرمہ: مکتبہ نزار مصطفی، ۱۴۱۸ھ، ۲/۴۸۲

11 القشیری، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح المسلم، ریاض: دارالسلام، رقم الحدیث: ۲۲۴۹

12 القرآن:۱۲:۶۲

13 القشیری، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح المسلم، ریاض: دارالسلام، رقم الحدیث: ۱۷۴۷

14 غلام رسول سعیدی، مولانا، تبیان القرآن، لاہور: فرید بک سنز، ۷/۱۸۰

15 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، ۳/۳۸

16 ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع ترمذی، ریاض، دارالسلام، رقم الحدیث: ۳۱۵۱

17 ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/۳۸

18 ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/۳۸

19 القرآن:۱۰:۸۸

20 ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/۳۸

21 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، ۳/۳۹

22 رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ، ۷/۴۷۹

23 ابن کثیر عمادالدین، امام، تفسیر ابن کثیر، مترجم: مولانا چونا گڑھی، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء، ۳/۳۱۲

24 محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۵۲۳

25 القرآن:۲:۱۹۷

26 محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳

27 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، ۳/۳۹

28 راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات القرآن، ۱/۳۰۱

29 القرآن:۱۳:۱۰

[30] القرآن:۱۸:۶۵

[31] ثناءاللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری،۷ کراچی: اردو بازار،۱۹۹۹ء،/۱۵۱

[32] القرآن:۱۸:۶۵

[33] ملا علی قاری، امام، مرقات، ملتان: مطبوعہ مکتبہ امدادیہ،۱۳۹۰ھ،۱/ ۲۶۴

[34] آلوسی، سید محمود، روح المعانی، بیروت: مطبوعہ دارالفکر،۱۴۱۷ھ،۱/ ۴۷۲

[35] غزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،۱۴۱۵ھ،۱/ ۲۶-۲۷

[36] رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر،۷/ ۴۸۲

[37] ثناءاللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری،۷/ ۱۵۷

[38] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن،۳/ ۴۲

[39] القرآن:۱۸:۷۰

[40] جوزی، علی بن محمد، زاد المسیر، بیروت: مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ،۱۴۰۷ھ،۵/ ۱۷۸

[41] رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر،۷/ ۴۸۲

[42] سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن،۷/ ۱۸۶

[43] محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح البخاری، رقم الحدیث:۲۸۵۳

[44] ایضاً: رقم الحدیث:۶۱۲۵

[45] سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن،۷/ ۱۸۶

[46] ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر،۳/ ۳۲۳

[47] ایضاً:۳/ ۳۱۹

[48] القران:۱۸:۷۴

[49] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن،۳/ ۴۲

[50] محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح البخاری، رقم الحدیث:۵۲۷۴

[51] ترمذی، محمد بن عیسی، امام، جامع ترمذی، ریاض: دارالسلام، رقم الحدیث:۳۱۴۹

[52] قرطبی، محمد بن احمد، امام، الجامع الاحکام القرآن، ایران: مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو،۱۳۸۷ھ،۱۰/ ۳۹۶

53 القرآن:۲:۲۱۶

54 ابن کثیر عمادالدین،امام، تفسیر ابن کثیر،۳/۳۲۴

55 ترمذی، محمد بن عیسی،امام، جامع ترمذی، رقم الحدیث:۳۱۵۰

56 جوزی، علی بن محمد، زادالمسیر،۵/۱۸۱

57 محمد کرم شاہ الازہری، پیر،ضیاءالقرآن،۳/۴۳

58 سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن،۷/۱۹۰

59 القرآن:۱۸:۸۲

60 ابن کثیر عمادالدین،امام، تفسیر ابن کثیر،۳/۳۲۴

61 ثناءاللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری،۷/۱۶۱

62 محمد کرم شاہ الازہری، پیر،ضیاءالقرآن،۳/۴۴

63 طبری، محمد بن جریر، امام، جامع البیان، بیروت: مطبوعہ دارالفکر،۱۴۱۵ھ، رقم الحدیث:۱۷۵۴۳

64 جوزی، علی بن محمد، زادالمسیر،۵/۱۸۱

65 قرطبی، محمد بن احمد، امام، الجامع الاحکام القرآن،۱۰/۴۱۱

66 القرآن:۷:۱۹۶

67 القرآن:۱۸:۷۹

68 القرآن:۱۸:۸۱

69 القرآن:۱۸:۸۲

70 القرآن:۲۶:۷۸

71 محمد کرم شاہ الازہری، پیر،ضیاءالقرآن،۳/۳۸